امن عالم اور واقعۂ کربلا

عالیجناب پروفیسر سید احتشام حسین صاحب رضوی

امن کا سہ حرفی لفظ اس وقت عام انسانوں کے لئے ایک متاع عزیز بنا ہوا ہے، کیونکہ انسان موت کو نہیں، زندگی کو عزیز رکھتا ہے، اور اسے حسین تر بنانے، اور برکتوں اور نعمتوں سے مالا مال کرنے کے لئے جدوجہد کرتا ہے۔ یہ خواہش انفرادی جذبہ سے گزر کر ناقابل شکست عقیدے کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے۔ تمام عظیم الشان مذاہب نے تاریخ کے ہر دور میں اس حقیقت کو اجاگر کیا ہے کہ انسان ایک مقدس وجود ہے، اسے نہ تو اپنے ہاتھ سے خود کو ہلاک کرنا چاہئے اور نہ کسی دوسرے کو حق پہنچتا ہے کہ وہ دوسروں کی زندگی سے کھیلے۔ جہاں تک اسلام کا تعلق ہے اس نے سب سے زیادہ ان حقائق پر زور دیا ہے کہ امن وآشتی کی زندگی فتنہ وفساد کی زندگی سے افضل ہے۔

وہ فلسفی اور مفکر، جن کے ہاتھوں میں زلف ہستی کے سنوارنے کی صلاحیت نہ تھی، گھبرا کر اس نتیجہ پر پہنچ گئے، کہ انسان باہمی تعاون اور اعتماد کے ساتھ مل کر زندگی بسر نہیں کر سکتے۔ اس لئے ان میں اختلافات ضرور پیدا ہوں گے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ معاشی حیثیت سے ان کے مفاد ایک دوسرے سے ضرور متصادم ہوں گے، اس لئے تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد جنگ کی بھٹی ضرور بھڑکے گی، کچھ لوگ اس میں تباہ ہوں گے اور پھر کچھ دنوں کے لئے توازن قائم ہوجائے گا۔ گویا جنگ ناگزیر ہے۔ ایک مشہور فلسفی نے کہا کہ لڑنا انسان کی سرشت میں داخل ہے۔ اگر ان کے پاس لڑنے کے لئے کوئی بات نہ ہوگی تو وہ صرف اس بات پر لڑیں گے کہ وہ مختلف سمتوں سے آرہے ہیں۔ انہیں خیالات کو نازی اور فاشسٹ جنگجو رہنماؤں نے عام کیا، اور مسولینی نے تو یہاں تک کہا کہ جنگ ہی ہے جو انسان کے اندر کی چھپی ہوئی طاقتوں کو نمایاں کرتی ہے، اور اس پر شرافت کی مہر ثبت کرتی ہے۔ یہ خیالات اور حقیقت اس روح شرافت اور طینت فاضل کی نمائندگی نہیں کرتے، جسے انجیل مقدس کے مطابق قدرت نے اپنی صورت پر بنایا تھا، اور قرآن مجید کی رو سے سب سے اچھی گھڑی میں پیدا کیا تھا۔ اسلام کا یہ بڑا کارنامہ تھا کہ اس نے جنگ کے مقابلے میں صلح کو انسانی بہبود کا زیادہ مؤثر ذریعہ قرار دیا۔ یہ بات جس طرح بانی اسلامؐ اور ان کے مقدس خانوادے کے اقوال، اور قرآن مجید کے احکام سے ظاہر ہوتی ہے، اسی طرح ان کا عمل بھی اس کی تصدیق کرتا ہے۔ تاریخی حقائق کے نہ سمجھنے والے امن وآشتی کے بجائے اسلام میں جنگ اور آویزش کی کارفرمائی دیکھتے ہیں۔ اسلام ان بادشاہوں اور جاہ پسند حاکموں کے جارحانہ اور جنگجویانہ عمل کی ذمہ داری نہیں لے سکتا، جو دنیا کے ہر بادشاہ کی طرح تھے۔ اس حقیقت کو زیادہ سے زیادہ سمجھنے کی ضرورت ہے۔

ہر قوم، وقت کے اہم تقاضوں کے سمجھنے کے لئے اپنی قدیم روایات اور اپنے تہذیبی عناصر پر نگاہ ڈالتی ہے۔ اس وقت دنیا جس کشمکش میں مبتلا ہے وہ زندگی اور موت کی، امن اور جنگ کی کشمکش کہی جاسکتی ہے۔ ایٹم اور ہائیڈروجن بم، انسان اور اس کے سارے تہذیبی ورثے کو ختم کرنے کی دھمکیاں دے رہے ہیں، لیکن انسان کی حیات پرور اور امن پسند روح بیدار ہوگئی ہے، اور وہ زندہ رہنے کی خواہش کا اظہار کر کے ایٹم بموں کے ذخیرہ کو بیکار کر دینا چاہتا ہے۔ وہ لوگ جنہیں اسلامی روایات

عزیز ہیں، اور جو انہیں کے مطالعہ سے وقت کے تقاضوں کو سمجھنا چاہتے ہیں، انہیں اپنی تاریخ میں ان واقعات کو تلاش کرنا ہوگا جن سے وہ موجودہ زمانے میں جبر وتشدد کا خاتمہ کر سکتے ہیں۔

میرا خیال ہے کہ جب وہ اس نیت سے تاریخ کی ورق گردانی کریں گے تو ان کی نگاہ رسول خداؐ، حضرت علیؑ، امام حسنؑ، اور امام حسینؑ کے کارناموں پر آ کے ٹھہرے گی، جہاں جنگ محض مجبوری کا سودا بنتی ہے، جہاں جنگ دفاعی حیثیت اختیار کرتی ہے، اور امن کی خواہش، جیو اور جینے دو کی تمنا، ہر دوسری خواہش سے زیادہ مضبوط نظر آتی ہے۔ ان بزرگوں کے کارناموں میں بھی واقعہ کربلا ایک روشن مثال بن کر ہمارے سامنے آئے گا، جہاں جنگ کی خواہش رکھنے والے حسینؑ کی امن و آشتی کی خواہش کے سامنے پست اور ذلیل ہوتے دکھائی دیں گے۔

واقعہ کربلا کے متعلق بہت کچھ لکھا گیا ہے، اور بہت کچھ لکھا جائے گا، اور ہر دور میں جب حق اور باطل، زندگی اور موت، یقین اور شک امن اور تشدد کی آویزش ہوگی، تو وہ لوگ جو اس واقعہ کا علم رکھتے ہیں، اس سے سبق حاصل کرنے کی کوشش کریں گے، کیونکہ جس دن سے امام حسینؑ کو اس بات کا اندازہ ہوا کہ اپنی حق پرستی اور صداقت کے لئے انہیں تکالیف اٹھانا پڑیں گی، اور اپنے راستے سے ہٹنے پر مجبور کیا جائے گا، اسی دن سے انہوں نے اس تصادم سے بچنا شروع کیا، جو آخرکار ناگزیر ہوگیا۔ ایک انصاف پسند تاریخ داں جب امیر معاویہ اور امام حسینؑ کے تعلقات پر نظر ڈالے گا، اور ان کے خطوط کا مطالعہ کرے گا، تو اسے بڑی آسانی سے یہ معلوم ہوجائے گا کہ معاویہ جو دام بچھا رہا تھا، امام حسینؑ اس سے واقف ہو چکے تھے، اور نہایت صلح جویانہ انداز میں معاویہ کو بھی یہ بتا دینا چاہتے تھے کہ انہیں اعتقادی اور اصولی طور پر امیر معاویہ کے تصورات سے اختلاف ہے۔ معاویہ جو اپنی طاقت اور جبروت کے زعم میں ہر شخص کو اپنی گرفت میں لے لینا چاہتا تھا، بڑی آسانی کے ساتھ اسی وقت امام حسینؑ کے خلاف لشکر کشی کر سکتا تھا، لیکن امام حسینؑ کے عمل نے ایسا نہ ہونے دیا، کیونکہ وہ کسی حقیقت اور صداقت کے منوانے کے لئے اس وقت تک امن اور صلح جوئی کو ترجیح دیتے تھے، جب تک اس سے انحراف ناگزیر نہ ہوجائے۔

یہ تو اس طرز عمل کی ابتدا تھی، جس کی تکمیل بعد میں ہوئی۔ ۶۰ھ میں یزید کا برسراقتدار آنا، تاریخ اسلام میں ایک نئے دور کا آغاز تھا۔ چنانچہ یزید نے تخت خلافت پر بیٹھتے ہی امام حسینؑ کا سر کاٹ لینے کا فیصلہ کرلیا۔ مدینہ میں ایسے اہانت آمیز حکم کا پہنچنا، بنی ہاشم کی غیرت اور رواداری، شجاعت اور امن پسندی کا امتحان تھا، اور امام حسینؑ اس امتحان میں پورے اترے۔ انہوں نے جنگ نہ ہونے دی، اور بے خانماں ہونا پسند کیا۔ اس طرح اپنے ہر عمل سے انہوں نے یہ ثابت کیا کہ مسائل کے حل کرنے کے لئے وہ صلح جوئی کو جنگ سے بہتر سمجھتے ہیں۔ واقعات کی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں ہے، اشاروں سے کام چل سکتا ہے۔ جب خانہ کعبہ میں امام حسینؑ کو قتل کردینے کی سازش کی گئی، جب حُر کی سرکردگی میں یزیدی فوج نے راستہ روکا، جب امام حسینؑ نے اپنے بہت سے ساتھیوں کو اپنے پاس سے جدا کیا، جب انہیں کربلا کے میدان میں گھیر لیا گیا، جب ان کے خیمے نہر کے قریب سے ہٹا دئے گئے، جب انہوں نے بلاد عرب سے باہر جا کر زندگی بسر کرنے کی خواہش کا اظہار کیا، جب مسلم ابن عوسجہ کو شمر پر تیر چلانے سے روکا، جب عمر سعد کے پاس صلح کے مسلسل پیغام بھیجے، جب اپنے عزیز واقارب، احباب اور اصحاب کو اپنے ساتھ شہید ہونے سے باز رہنے کا مشورہ دیا، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ جنگ کی دفاعی حیثیت کو نمایاں رکھنے کے لئے، جب بار بار اس بات کا اعلان کیا کہ ہم جنگ میں کبھی سبقت نہیں کرتے، یہ ساری باتیں اسی ایک بات کی طرف اشارہ کررہی ہیں کہ امام حسینؑ جنگ سے بچنا چاہتے تھے۔ یہ عمل رسولؐ خدا، حضرت علیؑ، اور امام حسنؑ کے طرز عمل سے ہم آہنگ تھا، یہ اسلام کے احکام سے ہم آہنگ تھا، اور انسانیت کے اس ذوق حیات کا مظہر تھا، جو

(بقیہ۔۔۔صفحہ ۴۴ پر)

ابراہیمؑ کی بی بی اپنے گھر کی طرف چیختی ہوئی آئیں اور انہوں نے اپنا منہ پیٹ لیا۔ (غرائب القرآن علامہ نیشاپوری) طمانچہ مارنا اگر جرم ہوتا تو ایک نبی کے سامنے اس کی اطاعت شعار بی بی ہرگز ایسا نہ کرتی اور قرآن مجید نبیؑ کے گھر کی باتوں کو بیان کر کے منظر عام پر نہ لاتا۔ تعجب ہے کہ ہم سے مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ منہ پیٹنا قرآن مجید میں کس جگہ ہے۔ اگر صحیح مسلم دیکھتے تو ایک عجیب منظر دکھائی دیتا ملک الموت جب حضرت موسیٰؑ کی قبض روح کو آتے ہیں تو کلیم اللہ فرشتہ کو ایک طمانچہ مارتے ہیں (صحیح مسلم جلد؟ دوم ص ۲۶۷ مطبوعہ نولکشور ۱۲۵۸ھ) یہ جرم نہیں ہے؟ مجرم صرف شیعہ ہیں جو غم حسینؑ میں اشکبار ہیں۔

واویلا

نوحہ و ماتم کے ثبوت میں حضرت یعقوب کا قول فراق یوسف میں کافی ہے۔ "**یا اسفا علی یوسف وابیضت عیناہ من الحزن**" کا ترجمہ شاہ عبدالقادر نے یہ کیا ہے۔ اے افسوس یوسف پر اور سفید ہو گئیں آنکھیں اس کی غم سے۔

(ص ۲۸۸ قرآن مجید مطبوعہ قدیم)

ایک نبی اپنے خوبصورت فرزند کے فراق میں صدائے افسوس بلند کر سکتا ہے تو ہم کو بھی کربلا کے بہتر شہیدوں پر نالہ و فریاد کا حق ہے اگر ایک محترم نبی بیٹے کے قتل کی فرضی داستان سن کر بقول شاہ عبدالقادر روتے ہوئے آنکھیں سپید کر سکتا ہے تو کشتگان اولاد رسولؐ جن کو شہادت کے بعد کئی روز قبر بھی نہ ملی، ضرور رونے کے حقدار ہیں۔ بے خبر معترض کو معلوم ہونا چاہئے کہ یاوَیلَتی بھی قرآن میں موجود ہے اور ازواج نبی میں سے ایک بی بی کی زبان پر جاری ہوا ہے (**یا ویلتی ءَ الدُ وانا عجوز ھذا بعلی شیخ، پ ۱۲ نصف**) اس قسم کے تمام کلمات انبیاء و ازواج انبیاء استعمال کریں اور معترض کو خبر نہ ہو؟ شیعوں کی زبان پر اگر قرآنی کوئی لفظ آ جائے تو گناہ کے مترادف ہے۔ شرم شرم۔

مرثیہ خوانی

آخر میں دل جلے معترض نے لکھا ہے "جو شخص بین و بکاء، ماتم اور مرثیہ خوانی کو کان لگا کے سنے گا وہ بھی مردود ہے (ابوداؤد) افسوس ہے کہ بے سواد معترض اپنے یہاں کی کتابوں سے بے خبر اور حقیقت سے ناآشنا ہیں۔ عوام کو دھوکا دینے کے لئے معترضین کی صف میں آ جانا آسان ہے لیکن جواب کے بعد ثبات قدم مشکل ہے۔ ابن سعد نے طبقات میں صفحہ ۸۹ لغایت ۹۸ پیغمبر خدا پر سلسلہ وار صحابہ کے مرثیہ نقل کئے ہیں۔ جن کی تفصیل اخبار کے محدود صفحات میں ممکن نہیں، تو کیا یہ تمام صحابی جنہوں نے مرثیہ سنے مردود تھے؟ (ملاحظہ ہو طبقات جلد دوم ۱۳۳۰ھ چھاپہ مصر) اس نظریہ کی بنیاد پر مردودوں کی مردم شماری دشوار ہو جائے گی۔ سادہ لوح عوام کو شیعوں کے خلاف ابھارنے کے لئے جو چاہا وہ کہہ دیا۔ صرف حسد کا جذبہ ہے جس کے غلام بن کر شیعوں کو منہ چڑھایا جا رہا ہے

ہم بھی قائل تری نیرنگی کے ہیں یاد رہے
او زمانہ کی طرح رنگ بدلنے والی

✿✿✿

بقیہ۔۔۔۔امن عالم اور واقعۂ کربلا

موت سے برسرپیکار رہتا ہے، اور اگر اسے مرنا ہی ہوتا ہے تو موت سے زندگی کا کام لیتا ہے، اور اس طرح موت کو شکست دے دیتا ہے۔

موجودہ عہد میں واقعہ کربلا سے بھی سبق لیا جا سکتا ہے، یہ سبق قوم، ملک اور ملت کی حدبندیوں سے بالاتر ہے، اس جذبہ کی قدر ہر صحیح الذہن شخص کرے گا، کہ صلح و آشتی کے ذریعہ جن مقاصد کی تکمیل ہوتی ہے، وہ دیرپا ہوتے ہیں، اور اگر مجبوراً جنگ کے میدان میں اترنا ہی پڑے، تو وہی کرنا مناسب ہوگا، جو ان حالات میں امام حسینؑ نے کیا، اس سے ہر قوم کی اخلاقی اور روحانی زندگی کسب فیض کر سکتی ہے۔

✿✿✿